https://doi.org/10.58352/tis.v47i2.909

The Islamic Culture
Bi-Annual Research & Refereed Journal
Published by
Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of Karachi
الثقافة الإسلامية
SZIC
ISSN (Print) : 1813-775X
ISSN (Online) : 2663-1709

عورت کے حقِ ملکیت کے بارے چند منتخب غیر مسلم مفکرین کے نظریات کا تقابلی جائزہ: قرآن وسنت کی روشنی میں

A COMPARATIVE STUDY OF THE THEORIES OF SOME SELECTED NON-MUSLIM THINKERS ABOUT THE RIGHT OF PROPERTY OF WOMAN: IN LIGHT OF QURAN & SUNNAH

Dr. Shams ul Hussain Zaheer
Associate Professor
Women University Swabi

Dr. Bibi Alia
Lecturer, Women University Swabi,
Post-Doc Fellow IRI Islamabad

Sajida Faraz
Lecturer, Women University Swabi,
PhD Scholar, IIU, Islamabad

Abstract

Form the day first after landing down of Adam and Eve on the earth; the human life depended upon the two basic pillars; man and woman, but later on, the concepts of people regarding woman remained different. This differentiation was because of depending of each individual on his own mentality, and his own point of view about the woman due to her attitude and acts she performed. For the reformation of human life and saving him from the differentiation and declines, in every era, Almighty Allah, send messenger who guided their followers about the mistakes happened in human life intentionally or unintentionally. Whenever the teachings of a messenger regarding the humanity and especially woman were bypassed by anybody, some unsatisfactory circumstances occurred. All these probably miss-happened because of constituting the different contradictive point of view by thinkers about life and especially about woman, which was in contrast to the teaching/instruction of Almighty Allah, resultantly it caused strange decisions based on cruelty and injustice to women. Like so, there were some thinkers like Plato, Aristos etc. who wrote down their point of view regarding right of property and inheritance of a woman, which are somehow, in contrast to the sematic teachings. This article discusses the theories of some non-Muslim scholars, who lived before the revelations of Islam and even before Christ and after Islam. It analyses their theories about the said right of a woman in comparative style with a conclusion given at the end. All this study has been offered in a scholarly way. It will open new aspect of research for the up-coming researchers.

Keywords: *Non-Muslim, Thinkers, Women, Right of property and inheritance, Comparative Study*

ارسطو نے اپنی کتاب میں سیاست، اجتماع، ریاست، حکومت، دستور، قانون اور ضمناً کئی ایک مسائل مثلاً فرد اور اس کی زندگی میں مرد وزَن، بچوں، ان کی تعلیم اور نگہداشت، گھر بار اور اس کے انتظام، معاش، غلامی، دولت اور ملکیت وغیرہ سے بحث کی ہے۔[1]

ذاتی ملکیت میں ارسطو کی رائے:

اذاتی ملکیت کے بارے اس کا نظریہ یہ ہے کہ ملکیت تو ذاتی رہے لیکن اس کا استعمال مشترک ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں ارسطو[2] اصول اشتراک کی مخالفت کرتا ہے۔

البتہ نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی کہ عورت کا مقام معاشرے میں کیا ہے جبکہ عائلی زندگی پر زور دیتے ہوئے افلاطون کے نظریہ اشتراک کی مخالفت کی ہے، وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ریاست کو عورتوں سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ ان کی زندگی کو غیر منضبط چھوڑنا غلطی ہے بلکہ فتنہ وفساد کی جڑ۔[3]

زمین کی ملکیت کے متعلق ارسطو اور افلاطون کا نظریہ:

ارسطو کہتا ہے فرض کیجئے زمین کی ملکیت مشترک قرار دی جاتی ہے اس صورت میں یا تو لوگ خود اس کی کاشت کریں گے، یا اسے دوسرے (یعنی غلاموں) کے ذمے کر دیں گے۔ ارسطو کے نزدیک پہلی صورت خالی از اندیشہ نہیں کیونکہ اس طرح مالکان زمین اور دوسرے لوگوں میں آئے دن کوئی نہ کوئی نزاع پیدا ہوتا رہے گا۔ دوسری صورت البتہ زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ مالکان زمین خود تو محنت مزدوری سے بچے رہیں گے، لہٰذا وہ اس کا مقابلہ (جیسا کہ پہلی صورت میں ہوتا) دوسروں کی تن آسانی اور مال و دولت سے نہیں کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہلِ شہر میں میل محبت اور اتحاد و اتفاق کو تحریک ہوگی۔[4]

ذاتی ملکیت جائیداد، سلطنت اور عورت کے بارے میں ارسطو کے اہم اصول / قوانین:

اس نے عام شہری کے لئے کچھ شرائط رکھی ہیں اور اس کا نظریہ شہریت اشرافی قسم کا ہے، اور وہ عوام کو مساوی شہری حقوق دینے کا حامی نہیں۔

اس کے خیال میں مندرجہ ذیل افراد شہری نہیں کہلا سکتے:

١۔ غلام ٢۔ مزدور

٣۔ عورتیں ٤۔ بچے

٥۔ ضعیف وفاتر العقل افراد

ارسطو کے مقررہ نظریہ نظامِ سلطنت میں جہاں غلامی جائز ہو وہاں عورت کو بھی وہ غلاموں کے درجے میں رکھتا اور خوشحال زندگی کے لئے اس کو ایک اہم فارمولا قرار دیتا ہے کہ جس طرح موسیقی کے لئے ساز ضروری ہے اسی طرح خوشحال زندگی کے لئے غلام اور عورت کی حیثیت بھی غلام جیسی ہی ہے۔

ارسطو جائیداد کو منقولہ وغیر منقولہ دو اقسام میں تقسیم کرنے کے بعد واضح کرتا ہے کہ وہ جائیداد کی نجی ملکیت کا زبردست حامی ہے لیکن جائیداد کے حصول میں اعتدال پسند ہے، کیونکہ جائیداد کی ذاتی ملکیت میں تفریط مایوسی اور افراطِ تکبر و تنفر کا موجب بنتی ہے۔[5]

افلاطون کے نجی املاک کے بارے میں نظریات:

افلاطون ۴۲۷-۳۴۸ ق۔م میں پیلو پو نیسی جنگ کے شروع سالوں میں پیدا ہوا۔ قدیم، قرون وسطیٰ اور جدید فلسفیوں میں سب سے زیادہ با اثر افلاطون اور ارسطو تھے۔ اور ان دونوں میں سے یہ افلاطون ہی تھا جس نے بعد کے زمانوں پر زیادہ اثر ڈالا۔[6]

اس نے مخصوص اشتراکی نظام پیش کیا۔ جس میں اس نے مختلف درجات مقرر کئے کہ محافظوں اور ان کے معاونوں کو کسی قسم کی نجی املاک نہیں رکھنا چاہیئے اور انہیں خاندان پرستی کی بھی شدید ممانعت۔

اور یہ نظریہ افلاطون کے دراصل سپارٹا حکومت کے سرکاری ملازمین کی شرائطِ ملازمت میں سے اخذ کیا جس میں بڑے واضح الفاظ میں تحریر ہوتا تھا کہ ہیلنی تہذیب میں نظامِ حکومت چلانے کے لئے دو اقسام کے افراد ہوتے ہیں۔ ایک سرکاری اور دوسرے غیر سرکاری۔

سرکاری افراد میں تمام وہ لوگ شامل تھے جن کا تعلق ملازمت کے سلسلہ میں حکومت کے ساتھ ہوتا تھا یا جو کسی نہ کسی صورت میں حکومت کے انتظامی ڈھانچے کے رکن ہوتے تھے اور ان کو عوامل سلطنت کے اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ وہ بیک وقت حاکم اور رعایا کی حیثیت رکھتے تھے۔ دوسرے غیر سرکاری افراد تھے۔

وہ اسی نظریے کے زیرِ اثر رہ کر وہ کہتا ہے کہ ملک میں ایسے قوانین ہوں جن کے تحت کوئی ذاتی ملکیت رکھنے کی اجازت نہ ہو۔ تا کہ کسی فرد کے ذہن میں ذاتی املاک کے جمع کرنے اور ان میں وسعت پیدا کرنے کی لالچ کے عناصر پیدا ہونے ہی نہ پائیں۔ افلاطون کے نظریے کے مطابق جائیداد ایک ایسی بلا ہے جو ذاتی مفادات، لالچ اور انتقام جیسی امراض کو جنم دیتی ہے۔

افلاطون کے زمانے تک عورت کو ذاتی جائیداد تصور کیا جاتا رہا تھا اور اس کی عام خرید و فروخت ہوتی رہی۔ اس سے رقوم جمع ہوتی رہی ہیں۔ اس طرح زن حصول زر کا سبب بنتی تھی اور زر سے زمین کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ یہ تینوں چیزیں ذاتی ملکیت ہوتی ہیں، چنانچہ افلاطون کے نظریہ کمیونزم میں ذاتی ملکیت کے مسائل کو حل کر کے زن، زر اور زمین کے جھگڑوں کو ختم کر دیا۔[7]

موجودہ اشتراکیت اور افلاطونی اشتراکیت میں فرق:

موجودہ اشتراکیت اور افلاطونی اشتراکیت میں فرق یہ ہے کہ موجودہ اشتراکیت صرف جائیداد کی ذاتی ملکیت کی مخالفت کرتی ہے اور ازدواج و خاندانی زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ جبکہ افلاطونی اشتراکیت ذاتی ملکیت، ازدواج اور اولاد پر مبنی ہے۔[8]

کارل مارکس (Karl Marx)

کارل مارکس جرمنی میں ایک یہودی وکیل کے ہاں پیدا ہوا۔ اس کے والد یہودیت سے اس قدر متنفر ہوئے کہ عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ اس وقت مارکس صرف ۷/ سال کا تھا۔ جب اس نے اپنے تبدیل شدہ مذہب کا انگلستان میں رہ کر جائزہ لیا، تو اس کو کلیسا کی دوغلی پالیسی، زراندوزی اور مذہب کا لبادہ اوڑھے عوام کو گمراہ کرنے کا انکشاف ہوا۔ اسی وجہ سے وہ لادینیت کا مبلغ ہوا۔[9]

کارل مارکس کو عموماً ایک ایسا شخص سمجھا جاتا ہے جس نے اشتراکیت کو سائنٹیفک بنانے کا دعویٰ کیا ہے اور جس نے کسی اور سے زیادہ ایک ایسی طاقتور تحریک تخلیق کرنے کا کام کیا ہے جو کشش اور مزاحمت کے ذریعے، یورپ کی حالیہ تاریخ پر غالب آگئی ہے۔[10]

مارکس سیدھے سادھے انداز میں سوال اٹھاتا ہے کہ انسان کی بنیادی ضروریات کیا ہیں۔ ایک ضرورت یہ ہے کہ وہ خود زندہ ہے، دوسری ضرورت یہ ہے کہ اس کی نسل زندہ رہے۔ لیکن سب سے زیادہ بنیادی ضرورت تو یہی ہے کہ وہ خود زندہ رہے۔ اگر وہ خود ہی زندہ نہیں رہے

گا تو نسل کے زندہ رہنے (جنسی ضروریات)، روحانی عرفان اور تہذیبی، ترقی وغیرہ کی نوبت کیسے آئے گی۔ زندہ رہنے کے لئے ظاہر ہے کہ غذا کی ضرورت ہوتی ہے اور غذا حاصل کرنے کا مسئلہ جانور اور قدیم انسان کا مسئلہ بھی تھا اور جدید دور کے انسان کا مسئلہ بھی ہے۔"[11]

لیکن اس دور میں انسان کا معاشی نظام بہت پیچیدہ ہے۔ سارا مسئلہ مادی ضروریات کو پیدا کرنے کا ہے۔ پیداوار کیونکر بڑھائی جائے؟ پیداوار کون لوگ بڑھاتے ہیں؟ یعنی غذا دراصل کون لوگ پیدا کرتے ہیں؟ جو لوگ غذا پیدا کرتے ہیں انہیں اپنی پیدا کی ہوئی غذا میں سے کتنا حصہ ملتا ہے وغیرہ۔

اگر پیداوار بڑھانے کا سارا منافع پیداوار بڑھانے والوں کو نہیں ملتا تو باقی منافع کہاں جاتا ہے؟ یہ زائد منافع سرمائے کی شکل اختیار کرنے کے بعد کن لوگوں کے پاس رہتا ہے؟ اگر پیداوار بڑھانے والے افراد علیحدہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اس سے زیادہ مستفید ہونے والے افراد کسی دوسرے طبقے سے تو اس سے جو تصادم اور عدم مساوات پیدا ہوتی ہے۔ اس کا علاج کیا ہے؟ اگر اصل مسئلہ پیداوار بڑھانے کا ہے تو پیداوار بڑھانے کے ذرائع پر اختیار کس کو ہے؟ پیداوار بڑھانے والوں کو (یعنی مزدوروں کو) یا منافع سے مستفید ہونے والوں (یعنی سرمایہ داروں کو) کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ذرائع پیداوار چند ہاتھوں میں نہ رہیں بلکہ پوری قوم کے اختیار میں آجائیں تا کہ منافع ایک طبقے کو نہ ملے بلکہ جہاں تک ممکن ہو قوم کے سب افراد میں تقسیم ہو جائے اور اس طرح معاشی مساوات قائم ہو؟"[12]

مارکس کا یہ نظریہ گذرتے وقت کے ساتھ جیسے مشہور ہوا اسی طرح اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

جرمی بینتھم:(Jeremy Bentham)

جرمی بینتھم (Jeremy Bentham) اٹھارویں صدی کے دوسرے نصف اور انیسویں صدی کے پہلے نصف کا ایک عظیم الشان سیاسی فلاسفر مانا جاتا ہے۔

وہ ۱۷۴۸ء میں ایک شہرت مند وکیل کے ہاں پیدا ہوا اور ۱۸۳۲ میں چوراسی سال کی عمر میں فوت ہوا مگر اس نے سیاست اور قانون سازی کو اپنی زندگی کا ایک اصول بنایا تھا۔ اس نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا اور ان کے قوانین کا کلی طور پر تقابلی جائزہ لیا[13]۔ انگلستان کی سیاست سے متنفر ہونے کی وجہ سے اس نے فرانس کے نیشنل اسمبلی کے ذریعے فرانسیسی شہری حقوق حاصل کر لیے اس کے بے لاگ تبصروں کو دنیا کے بیشتر ممالک نے سراہا اور اپنے اپنے ممالک کے آئین میں ترامیم کے لئے اس کے صلاح مشورے کو غنیمت شمار کیا۔ جرمی کو انگریزی قانون سے سخت اختلاف تھا۔ پرتگال کی حکومت نے ۱۸۲۱ء میں اپنے ممالک کے آئین کا مسودہ تیار کرنے کے لئے بینتھم کو بلا بھیجا۔ روس کے بادشاہ نے بھی روسی حکومت کا آئین تیار کرنے کے لئے بینتھم کی خدمات کو مستعار لینے کی درخواست کی، انگلستان میں رائج قانون از زمانہ قدیم سے چلا آرہا تھا۔ معاشرہ، ماحول اور لوگوں کے جذبات وخیالات میں تغیر کی وجہ سے ضروری تھا کہ ملک میں جدید تقاضوں کے مطابق قانون نافذ ہو۔"[14]

افلاطون، مارکس اور بینتھم کے نجی جائیداد وملکیت کے بارے میں نظریات:

کارل مارکس نجی جائیداد کی انفرادی ملکیت کے حق میں بالکل نہیں ہے اس کے خیال میں جب ریاست کی تمام ذمہ داریاں اس امر کی ذمہ دار ہیں کہ کسی شخص کو معاشی بدحالی کا شکار نہیں ہونے دیا جائے گا تو پھر ذاتی جائیداد کے جھگڑے کو کھڑا کرنے کی کیا ضرورت جو تمام افرادِ معاشرہ مل کر ریاست کی بہبود کے لئے کام کرتے ہیں۔

نجی جائیداد کے حصول اور اس کے معاملات میں اکثر اوقات دھوکہ اور ظلم کا خدشہ ہوتا ہے، اس وجہ سے ذاتی جائیداد کے تصور کو حرف غلط کی طرح مٹا دینا چاہیئے۔ تاکہ پوری ریاست کی املاک ایک ادارے کے قبضے میں آجائیں، اس طرح سے معاشی مسائل بھی حل ہونگے اور وراثت کے حقوق کی جنگ بھی ختم ہو جائے گی، نہ امیر کو اپنے محلوں کا گھمنڈ ہوگا اور نہ غریب مزدور کو جھونپڑیوں میں رہنے کا احساسِ کمتری ہوگا۔

افلاطون کی مثالی ریاست میں کمیونزکے آثار ملتے ہیں وہ اعتدال کا سبق دیتا ہے، اور محافظوں اور معاونوں کو نجی املاک اور خاندان پرستی کی ممانعت کرنے کے ساتھ ساتھ ہیلی تہذیب میں سپارٹا کے انتظام حکومت کے سلسلے میں سرکاری مقاصد کے حصول کے لئے خاوند اپنی بیویاں بھی دوسروں کے سپرد کر دیتے تھے۔ اور کریٹ میں تمام اراضی سرکاری ملکیت میں تھی۔

اس کے خیال میں نجی املاک کے بنانے کی ممانعت ہونا چاہیئے۔ جائیداد کی نجی ملکیت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے خیال میں اگر اولاد معاشرہ میں فعال جزاختیار کرلیں تو والدین کا ان پر کوئی حق باقی نہیں رہنا چاہیئے۔

جبکہ جریمی بینتھم نے ان دونوں کے نظریات سے قدرے اختلاف کیا اس کی نظر میں ریاستی طور پر ایسے اقدامات اٹھانے چاہئیں جس میں ریاستی اور انفرادی دونوں طرح سے افادیت حاصل ہوتی ہو۔ اور معاشرے کے افراد تب تک دل لگا کر کام نہیں کریں گے جب تک کہ ان کو اپنی محنت کا کوئی اقادی پہلو نہ نظر آتا ہوگا، اگر معاشرہ نجی جائیداد کو انفرادی سطح پر برداشت نہیں کر سکتا تو یہ بات افادیت کی حامل نہیں۔[۱۵]

جان اسٹوارٹ مل (JohnStuart Mill)

جان اسٹوارٹ مل (JohnStuart Mill) مشہور قانون دان اور سیاسی مفکر جریمی بینتھم کا شاگرد اور جیمز مل کا لڑکا تھا وہ ۱۸۰۶ء میں پیدا ہوا۔ جان عورت کی تعلیم کا زبردست حامی ہے، اور نجی ملکیت کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ عوامی دلچسپی معاشرتی ترقی اور اقتصادی خوشحالی کا راز نجی ملکیت میں مضمر ہے۔ اگر اس عنصر کو آزادی دی گئی تو نجی ملکیت کے ساتھ حکومت کے وسائل آمدنی میں بھی گرانقدر اضافہ ہوگا[۱۶]۔ نجی ملکیت کو وراثت کے طور پر خاندان کے جائز ورثاء میں متناسب انداز میں منقسم ہونا چاہیئے تاکہ کوئی تنازعہ نہ ہو اور ہر ایک کو اصولی طور پر پتہ چل جائے کہ اس کے حصہ میں جتنی جائیداد تناسب کے لحاظ سے آتی ہے اس کو اس سے زیادہ نہ تو مل سکتی ہے اور نہ ہی اس کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ عورت کو حق حصولِ تعلیم، حقِ رائے دہندی اور دیگر حقوق کا مرد کے مساوی حقدار ٹھہراتا ہے، علاوہ ازیں اس کے نزدیک نجی جائیداد کا حق بلاامتیاز مرد اور عورت کو حاصل ہونا چاہیئے۔[۱۷]

میکاویلی: (Machia Velli)

میکاویلی (۱۴۶۷۔۱۵۲۷) فلورنس کا باشندہ تھا، اس کا باپ ایک قانون دان تھا۔ جو امیر تھا نہ غریب، جب وہ جوان ہوا تو ساونا رولا (Savonarola) فلورنس کا حکمران تھا۔ اس کے برے انجام سے میکاولی نے بہت گہرا تاثر قبول کیا۔[۱۸]

میکاویلی کی بعض سیاسی خوبیاں ہیں جن میں سے تین خصوصاً اہم ہیں۔ یہ قومی آزادی، تحفظ، اور منظم آئین ہیں۔ ایک بہترین آئین وہ ہوتا ہے جس میں جو شہزادوں، شرفاء اور عوام میں ہر ایک کے اختیار کے تناسب سے قانونی حقوق بانٹتا ہے کیونکہ ایسے آئین کے تحت کامیاب انقلابات مشکل ہو جاتے ہیں اور یوں استحکام ممکن ہو جاتا ہے لیکن استحکام کی خاطر دانائی کی بات یہ ہے کہ عوام کو زیادہ بااختیار بنا دیا جائے بس یہ سب مقاصد سے متعلق ہے۔[۱۹]

تھامس مور: (Thoms More)

مور کو اس کی کتاب "یوٹوپیا" (Utopia) کے باعث یاد کیا جاتا ہے۔ یوٹوپیا ایک جزیرہ ہے جو جنوبی نصف کرۂ ارض میں واقع ہے۔ یہاں پر کام بہترین ممکن طریقے سے کیا جاتا ہے۔ رافیل ہائیتھلوڈے نامی ملاح (Raphael Hythloday) ایک حادثے کی صورت میں وہاں پہنچ جاتا ہے اس نے وہاں پانچ سال گزارے اور صرف اس لئے یورپ واپس آگیا تاکہ وہاں کے دانش مند اداروں کا علم عام کرے۔[۲۰]

تھامس مور نے ایک مکمل نظام اس کتاب کے ذریعے پیش کیا مگر یہ نظریہ ایک ضرب المثل بننے سے آگے نہ بڑھ سکا کیونکہ بہرحال یوٹوپیا ایک خیالی مملکت ہے افلاطون کی جمہوریہ کی طرح یوٹوپیا میں تمام اشیاء سب کی ملکیت ہیں کیونکہ اس کے خیال میں جہاں ذاتی املاک ہوگی وہاں عوام کی بھلائی فروغ نہیں پا سکتی اور اشتراکیت کے بغیر مساوات نہیں پنپ سکتی۔ یوٹوپیا ذاتی ملکیت کا سخت مخالف ہے۔[۲۱]

مکالمے میں مور اعتراض کرتا ہے کہ مشترکہ ملکیت لوگوں کو بے کار بنا دے گی اور مجسٹریٹ کا احترام ختم ہو جائے گا۔ رافیل اس کا جواب دیتا ہے کہ یوٹوپیا میں رہنے والا کوئی شخص یہ بات نہیں کہے گا۔[۲۲]

ٹامس ہل گرین:(Thomas Hill Green)

ٹامس ہل گرین انگلستان کا ایک عظیم سیاسی مفکر خیال کیا جاتا ہے۔ وہ ۱۸۳۶ء میں بمقام برکن، یارکشائر نزدیک پادری کے ہاں پیدا ہوا۔ ٹامس ہل گرین نے سیاست کی تعلیم آکسفورڈ سے حاصل کی۔[۲۳]

نجی ملکیت کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ اس کے بغیر نہ تو افراد میں حُب الوطنی کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے نہ ہی معاشرہ ترقی کی رہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ اس ملکیت سے مراد جائیدادیں اور رقوم ہیں۔ اور گرین کے خیال میں ہر ایک شخص کو مساوی حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ جائز طریقے سے جس قدر چاہے جائیداد بنا سکے۔

جہاں تک دیکھا جائے تو دوسرے مذاہب اور معاشرتوں میں کلیسا اور ریاست کی جنگ نے جہاں جہاں لوگوں میں رفتہ رفتہ ذہنی وسعت پیدا کی وہیں مذہب اور معاشی و معاشرتی تقاضوں کو یکسر الگ کر دیا نتیجتاً نئے مدنی معاشرتی و معاشی پلانز اور ماڈلز آتے گئے اور اپنے سقم کی وجہ سے ناکام ہوتے گئے۔

اس کے بالمقابل ہم دیکھیں تو دینِ اسلام ایک ایسا مکمل ضابطۂ حیات ہے کہ وہ دین کے ذریعے نہایت احسن طریقے سے دنیا کو چلانے کے طریقے اصول اور قوانین پیش کرتا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ جب جب کسی بھی ریاست نے ان قوانین پر جزوی نہیں بلکہ کلی طور پر عمل کیا تو ریاست میں تمام افراد انفرادی اور اجتماعی طور پر سکون اور چین سے رہے۔

ان تمام مفکرین کی آراء سے معلوم ہوا کہ جرمی بینتھم کے بعد ان کے شاگرد نے یہ قاعدہ پیش کیا کہ ہر فرد کا الگ الگ حصہ وراثت میں مقرر ہونا چاہیئے۔ مگر اسبات کی وضاحت وہ اپنی کسی مذہبی، قانونی اور تاریخی کتاب سے یا مثال سے نہیں دے سکا کہ کس کو کتنا حق وراثت ملنا چاہیے

۔

اسلام کے قوانین محدود تعداد میں ہونے کے باوجود لاتعداد مسائل کو حل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَابَ بِٱلْحَقِّ مُصَـدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَـٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ آتَاكُم فَاسْتَبِقُوا الخَيْرَاتِ إِلَىٰ اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعاً فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ[۲۴]۔

"اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان ہے، چنانچہ آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلے کریں، اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اسے نظر انداز کر کے ان

کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور طریقہ بنایا، اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ضرور ایک امت بنا دیتا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس (کتاب) کے بارے میں آزمائے جو اس نے تمہیں دی ہے، چنانچہ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔"

چنانچہ جہاں پر اصولی حکم کتاب اللہ ار سنتِ رسول ﷺ موجود ہو تو اس سے ملتے جلتے سارے معاملات میں جہاں علت ہو وہاں حکم لاگو کیا جاسکتا ہے اور اسی وجہ سے اصولِ فقہ کے قاعدہ "قیاس" کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

اسلامی قانون کا یہ پہلو نہایت مضبوط ہے کہ ان کے قوانین منجمد اور کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ اسلام کے مختلف علوم کے ماہر علمائے کرام باہم مشاورت کے ساتھ کسی بھی مسئلے پر مل کر اس کا حل نکالتے ہیں۔

مغربی نظامِ حیات اس نعمت سے محروم ہے۔ سپارٹا کے قوانین سے لے کر کمیونزم، سوشلزم، بدھ ازم، ہندو ازم تک ہزاروں قوانین آئے اور وہ قوانین استقامت کے بجائے سب فیل ہوگئے۔ قانونِ اسلام کی عظمت کا اعتراف امریکی بھی کرتے ہیں۔[۲۵]

مغرب خود اپنے مقرر کردہ قوانین کا کچھ عرصے بعد اس کی ناکامی کا اقرار کرتے ہوئے تبدیل کر دیتا ہے۔[۲۶]

ہم جنس پرستی کے لئے قاعدہ قانون بنایا گیا ہے۔ برطانیہ میں وہ بائبل کی تعلیمات کو بھول چکے ہیں۔[۲۷]

چنانچہ حلال و حرام کا اختیار معاشرے کو دیا گیا اور مغربی ممالک معاشرتی مسائل اخلاقی کج روی اور کثرتِ جرائم کے ہاتھوں ذلتوں کی دلدل میں دھنسے جارہے ہیں اور کسی بھی تہذیب کے نیست و نابود ہونے کے لئے یہی بیماریاں کافی ہیں۔

معاشرے کی ترقی کا حل یہ ہے کہ ہم اخلاص سے قوانینِ فطرت اور احکامِ الٰہی کی پیروی کریں تو دین و دنیا دونوں میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور یہ صرف قانونِ اسلامی کی خصوصیت ہے کہ اسلامی قانون نہ تو اتنا خود مختار ہے کہ انسانوں کے ہاتھ کا میل بن کر رہ جائے اور نہ ہی ایسا جامد قانون ہے جو کہ زمانے کی ترقی کا ساتھ نہیں دے سکتا یا اس میں انسانی عقل کا کوئی تدبر اور اجتہاد شامل نہیں ہو سکتا۔

سربراہِ مملکت کا حق قانون سازی

ڈاکٹر محمد امین نے سربراہِ مملکت کے حق قانون سازی پر نہایت سیر حاصل بحث کی ہے اور خلافتِ راشدہ میں تقسیم اختیار کی صورت بیان کرتے ہوئے ہر ایک شعبے کی ذمہ داریاں بیان کیں۔ اس کے ساتھ وہ لکھتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد جہاں نظامِ شوریٰ باقی نہ رہا وہاں لوگوں نے علماء و فقہاء کی طرف مسائل کے حل کے لئے رجوع کیا۔ اور حکمرانوں کے ظلم و جبر سے اگرچہ احتساب و تنقید میں کمی واقع ہوئی مگر عدالتی نظام پھر بھی آزاد اور شریعت کے مطابق چلتا رہا۔ اور جب خلافت ملوکیت میں بدل گئی تو چونکہ ملوکیت کا نظام اسلام کی سیاسی تعلیمات کے مطابق نہ تھا اور نہ ہی علماء نے اسے کبھی سراہا۔

وہ لکھتے ہیں کہ آج ہمارے حکمرانوں میں کوئی ابوبکر و عمر، عثمان و علی جیسا مجتہد، انصاف پسند اور خدا خوف موجود نہیں اور نہ ہی معاشرتی زندگی پہلی سی سادہ ہے۔ شارع نے جو شرعی صفات اولی الامر کے لئے طے کی ہیں وہ بھی ان میں موجود نہیں۔ اور جب سے مغربی اقوام مسلمان حکومتوں پر غالب آگئیں انہوں نے مسلمانوں کے فکر و نظر اور تہذیب و تمدن کو بھی بدل ڈالا۔ اور ان کے نظامِ معیشت اور معاشرت کو اپنے رنگ میں رنگ لیا حتیٰ کہ نظامِ تعلیم بھی اپنے نظریات ٹھونس کر اس کو اپنے اغراض کے مطابق استوار کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

مسلمانوں کا نظامِ تعلیم ختم ہونے سے علومِ دینیہ سے عدم واقفیت ہونے کی بنا پر لوگ اسلام سے دور ہوگئے اور اس مقصد کے شکار ہوگئے کہ لوگ کچھ بھی بن جائیں مگر اچھے مسلمان نہ بنیں اور مغربی استعمار اس میں کامیاب رہا۔

ان استعماری قوتوں نے اپنے سے مزاحم تمام طاقتوں کو کچل دیا۔ (فرقہ پرستی اور نظری وعقائدی مسائل کے ذریعے) اور جہاں جہاں قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی وہاں وہاں استعماری طاقتوں نے کہیں تو اپنی طاقت کا استعمال کیا اور کہیں پر آپس کے فسادات اور اختلافات کو ہوا دے کر کام کیا۔

اور جمہوریت کے نام پر ان کے قائم کردہ تعلیمی اداروں جو کہ مغربی تہذیب وتمدن کی ساتھی اور ان کے نظامِ زندگی سے متاثر تھی ان کی قیادت کو ابھرنے کا موقع دیا اور بالآخر اقتدار پیشہ ور سیاستدانوں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور بیوروکریٹس وغیرہ کے حوالے کر دیا گیا اور دینی قوتوں کو اپنے اپنے لوگوں نے مختلف اداروں اور مخالف قوتوں نے دبا کر رکھا۔

اور جہاں جہاں مغربی قوموں نے مسلمان ملکوں میں غلبہ پایا وہاں اسلامی قوانین ختم کر دیئے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ انہی کٹھ پتلی مسلمان حکمرانوں نے شرعی قوانین کو ختم کیا۔ اس کی مثال ترکی میں مغربی استیلاء اور پھر مصر میں محمد علی کے زمانے میں یورپی قوانین کی نقالی ہونے لگی۔ پھر ایران میں رضا شاہ پہلوی دور میں اور ترکی میں اتاترک کے ذریعے اسلامی وشرعی قوانین کی دھجّیاں بکھیری تھیں۔ اور جو ملک مغربی حکومتوں سے آزاد ہوتے گئے وہ اپنے دساتیر وآئین میں مغربی آئین وقوانین کی نقالی کرتے چلے گئے۔ دیندار حلقوں کی سخت مخالفت کے باوجود ان کو کوئی روک نہ سکا اور تحریف کی یہ گاڑی مسلمانوں میں بھی چل پڑی۔

اسلام کے نام پر عوام کو بیوقوف بنایا گیا اور جمہوریت کے نام پر آمریت کا کھیل اس طرح رچایا گیا کہ عوام اب بھی ہر مرتبہ انتہائی سادگی سے ان قوانین پر عمل کرتے ہوئے انتخابات میں حصہ لیتی ہے، اور اب بھی ہر مرتبہ جعلی ووٹنگ، غلط انتخابی فہرستوں اور گنتی میں بے ایمانی سے مفاد یافتہ طبقہ کامیاب ہو جاتا ہے اور اس سب کا نقصان صرف اسلام کو ملتا ہے، اور اقتدار ہمیشہ غیر اسلامی قوتوں کے ہاتھ میں رہتا ہے۔

یہاں اس بحث سے مقصد یہ ہے کہ اگر ایک اسلامی مملکت میں واقعی شرعی واسلامی قوانین کا نفاذ ہو گا اور شہری اپنے حقوق کی جنگ کے لئے سالوں جنگ لڑنے اور وکیلوں اور عدالتوں کے چکر لگانے کے بجائے ڈائریکٹ ایک قاضی کے پاس جا کر نالش کر کے اپنا حق طلب کریں اور اس کی دادرسی ہو تو ریاست کا سارا درہم برہم نظام درست ہو جائے اور لوگ چین وآرام سے رہیں۔ اور اگر عام آدمی کو یہ یقین ہو کہ حکومت نہایت اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت میں مصروف ہے تو لوگ بھی حکومت سے تعاون کرنے کے لئے فوراً آگے بڑھیں۔

ڈاکٹر محمد امین نے تاریخی اور ابتدائی زمانے سے لے کر تمام زمانوں پر بحث کرتے ہوئے پاکستان میں قانون کی اسلامائزیشن اور تطبیق کا ایک جائزہ لیا ہے اور قیامِ پاکستان سے بھٹو دور اور اس کے بعد ضیاء دور میں ہونے والے فیصلوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

ان کے نزدیک نظام کے پہنچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ اسلام کے ابدی اصولوں کی تعمیل کر کے معاشرے کا ہر فرد اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں تعلیماتِ اسلامی کو عمل میں لے آئیں۔ تو پھر اسلام اور مسلمانوں کا عروج اور نشاۃ ثانیہ کچھ دور نہیں۔[۲۸]

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مغربی مفکرین کہ جن کو اہلِ مغرب کے ساتھ اہلِ مشرق بھی بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں وہ بھی عورت کو مرد کی برابری کا درجہ تو کجا اس کو ایک معزز معاشرتی مقام دینے پر بھی تیار نہیں تھے۔ مگر اسلام کی اوائل تعلیمات ہی ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات پیش کرتی ہیں کہ جس میں معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داریوں اور حقوق وفرائض کا تعین موجود ہے۔ جیسا کہ جنگ کے سنڈے میگزین کے تحت "منور مرزا" نے مضمون "کمیونزم کا آخری ستارہ بھی ڈوب گیا۔"۔ کے تحت لکھا ہے کہ: "فیڈل کاسترو طویل حکم رانی کے باوجود کیوبن عوام کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکے۔"

فیڈل کاسترو کیوبا کے حکمران تھے جنہوں نے ۴۷ سال تک کیوبا پر حکومت کی اور ملک میں جماعتی نظام حکومت نافذ کیا جو کہ کلیونزم کے نظریئے کے عین مطابق تھا۔

فیڈل کاسترو ۱۳ اگست ۱۹۲۶ء کو ایک جاگیر دار خاندان میں پیدا ہوئے۔ اور اس وقت روسی اور مشرقی یورپ میں مارکسزم کے اشتراکی نظریے کے تحت حکومتیں قائم ہو رہی تھیں۔ لینن کا سوشلزم کا طوطی بول رہا تھا۔ اور پوری دنیا میں سرخ انقلاب کے نعرے گونج رہے تھے۔ اور انقلابی کہلانا یا ہونا ایک اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب اگر انہی نظاموں اور ممالک کو دیکھا جائے تو وہ نظام اسی خود ساختہ نظاموں کے بوسیدہ عمارت کے نیچے آخری سانسیں تباہ حال صورت میں لے رہا ہے۔[۲۹]

چنانچہ وہ نظام معاشرت جو کہ اسلام نے مقرر کیا ہے وہی مکمل نظام ہے۔ اس کے مقابلے میں جتنے نظام آئے وہ ناکام ہو کر اپنے انجام تک پہنچ گئے۔ اسلام واحد مذہب ہے کہ جس کی تعلیمات رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے کارآمد ہیں۔ چناچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مرورِ زمن کے ساتھ وہ تمام انقلاب نیست و نابود ہو گئے جو کہ فطرتِ خداوندی کے خلاف تھے۔ مشک آنست کے خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

اب اسلام کو ایک نئے عالمی انقلاب کا سامنا ہے جس کو لبرل ازم یا سیکولر ازم کا نام دیا گیا ہے۔ جس کو تمام ان مذاہب نے بطورِ قوانین قبول کر لیا ہے جن کے اپنے مذاہب کے قوانین یا تو انسانی تحریف کا شکار تھے یا پھر انکے مذہب میں وہ بنیادی قوانین شاذ و نادر پائے جاتے ہیں۔ یا ان کے مذہب میں جنسِ انسانی میں سے صنفِ نازک کا بری طرح استحصال ہوتا رہا ہو۔

چنانچہ اسلام پر شدت پسندی کی جو تہمت دھری جاتی ہے وہ انتہائی غیر مناسب ہے۔ اسلام سے پہلے کے جتنے نظام تھے وہ سب استحصال سے بھرپور تھے۔ اور اسلام کے بعد جتنے نئے نظام آئے وہ سب ناکام ہو گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظام اس میں عام آدمی کے منافع کے خلاف تھے۔ اور افراط تفریط کا شکار تھے۔ اسلام نے ہر فرد کو ذاتی ملکیت عطا کر کے اجتماعیت کی ترغیب دی اور اس کو فروغ دیا ہے۔

اسلام نے میراث، زکوۃ، وقف وغیرہ کے جو قوانین مقرر کیے وہ قوانین عام افراد کے لیے ایک رحمت کا باعث تھے اور ان احکامات کا مقصد یہ تھا۔ مال کو کچھ مخصوص لوگوں کے ہاتھ سے نکال کر تمام لوگوں میں پھیلانا اور اسلام تکدیس مال کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں مال فیئ کی تقسیم کے ضمن میں اس کی مصلحت ذکر کی کہ

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ ٱلْأَغْنِيَآءِ مِنكُمْ (الآیۃ)[۳۰]

"تاکہ (سرمایہ) تم میں سے مالداروں میں گردش نہ کرے۔"

چنانچہ اسلام ایک ایسا مکمل اور جامع نظام پیش کرتا ہے کہ جس کا مقصد اقلیت سے مال کو نکال کر اکثریت میں تقسیم کرنا ہے اور مال فیئ، مال غنیمت اور زکوۃ کے ساتھ ساتھ احکام میراث کا ایک ایسا شفاف مکمل ضابطہ حیات پیش کیا کہ جس میں کسی ردوکد کی ضرورت نہیں رہی۔

اور میراث کے قوانین نے امیر غریب کے فرق کو ختم کر دیا اور ایسا مکمل نظام پیش کیا کہ جس سے ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کو خود بخود تمام سرمایہ منتقل ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہر شخص کے حصے بھی مقرر کر دیئے گئے ہیں تو اس وجہ سے اس میں کوئی بھی دوسرے پر کمی وزیادتی کا الزام نہیں لگا سکتا۔ میراث کے قوانین میں ہر انسان کا حق دوسرے کے مال میں رکھا اور انسان کو یہ حق بھی دیا کہ وہ اپنی موت کے بعد وقف اور وصیت کے ذریعے بھی اس مال میں تصرف کر سکتا ہے۔

اسلام واقعی ایک ایسا مذہب ہے کہ جو تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اسی لئے اس کی روحانی کتاب کا پہلا جملہ ہی اجتماعیت پر مبنی ہے۔

ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَالَمِينَ[۳۱]

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔"

یہاں پر اللہ کو تمام جہانوں کا رب کہا گیا ہے نا کہ صرف انسانوں یا مسلمانوں کا۔

اسی طرح پیغمبر انسانیت ﷺ کے لئے فرمایا:

وما ارسلنک الا رحمۃ اللعالمین۔۔۔۔(الآیۃ)[۳۲]

اگر کتاب اللہ کے اصول نہ صرف مملکت اسلامیہ میں بلکہ تمام دنیا میں بطور قانون رائج ہو جائیں تو یہ دنیا فن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے گی

حوالہ جات

[1] ارسطو، ولادت اسٹیگرا میں (۸۴ق۔م) افلاطون کی شاگردی، ۳۶۳۔۳۴۷ق۔م، قیام: مئے لین میں، (۳۶۶ق۔م) مقدونیہ، ۳۴۳۔۳۳۰ مراجعت اثینیۃ میں (۳۳۵ق۔م) انتقال، کالکس واقعہ بوشیہ میں، ۳۲۲، از: نذیر نیازی۔

Aristotle, born in Stagra (84 BC), pupil of Plato, 363-347 BC, lived in Mylene, (366 BC), Macedonia, 343, 330, visited Athens (335 BC), died, Calyx incident in Boethia, 322 By: Nazir Niazi.

[2] ارسطو غالباً ۳۸۴ قبل مسیح میں تھریس کی ریاست میں سٹیگرہ کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کے والد کو مقدونیہ کے بادشاہ کے ہاں خاندانی حکیم کا مرتبہ وراثت میں ملا تھا۔ تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں ارسطو ایتھنز آیا اور افلاطون کی شاگردی اختیار کرلی وہ افلاطون کی وفات جو ۳۴۸ق۔م میں ہوئی، تک تقریباً بیس سال اس اکیڈمی میں رہا۔ پھر اس نے کچھ عرصہ سفر میں گزارا اور جابر شاہ ہرمیاس کی بہن یا بھتیجی سے شادی کرلی۔ (ص:۲۱۳)

Aristotle was probably born in 384 BC at Stegra in the kingdom of Thrace. His father inherited the position of family sage to the Macedonian king. At the age of about eighteen, Aristotle came to Athens and became a student of Plato. He remained at the academy for about twenty years until Plato's death in 348 BC. Then he spent some time traveling and married the sister or niece of Jabir Shah Har Mias. (p.: 213)

[3] ایلس ولیم، (مقدمہ از: ۲۱: ڈی۔ لنڈسے) اردو ترجمہ تعلیقات، (از: سید نذیر نیازی) سیاسیات ارسطو، ایک رسالہ حکومت کی بحث میں، مجلس ترقی ادب ۲۔ نرسنگھداس گلدون کلب روڈ، لاہور، ناشر (کریم احمد خان معتمد مجلس ترقی ادب لاہور، مطبوعہ: ایڈنگ پرنٹنگ پریس، اردو بازار لاہور، ۱۹۵۹ء، (ص:۴۰)

Alice William, (Proceedings by: 21: D. Lindsay) Urdu translation of compilations, (by: Syed Nazir Niazi) Political science Aristotle, a magazine in the discussion of government, Majlis Tragqi Adab 2. Narsinghdas Guldoon Club Road, Lahore, Publisher (Kareem Ahmad Khan Motamed Majlis Tragqi Adab Lahore, Printed: Eding Printing Press, Urdu Bazar Lahore, 1959, (p. 40)

[4] ایلس ولیم، (مقدمہ از: ۲۱: ڈی۔ لنڈسے) اردو ترجمہ تعلیقات، (از: سید نذیر نیازی) سیاسیات ارسطو، ایک رسالہ حکومت کی بحث میں، مجلس ترقی ادب ۲۔ نرسنگھداس گلدون کلب روڈ، لاہور، ناشر (کریم احمد خان معتمد مجلس ترقی ادب لاہور، مطبوعہ: ایڈنگ پرنٹنگ پریس، اردو بازار لاہور، ۱۹۵۹ء، (ص:۴۰)

Alice William, (Proceedings by: 21: D. Lindsay) Urdu translation of compilations, (by: Syed Nazir Niazi) Political science Aristotle, a magazine in the discussion of government, Majlis Tragqi Adab 2. Narsinghdas Guldoon Club Road, Lahore, Publisher (Kareem Ahmad Khan

Motamed Majlis Tragqi Adab Lahore, Printed: Eding Printing Press, Urdu Bazar Lahore, 1959, (p. 40)

[5] ایلس ولیم، (مقدمہ از: ۲۱: ڈی۔ لنڈسے) اردو ترجمہ تعلیفات، (از: سید نذیر نیازی) سیاسیات ارسطو، ایک رسالہ حکومت کی بحث میں، مجلس ترقی ادب ۲۔ نرسنگھداس گلدون کلب روڈ، لاہور، ناشر (کریم احمد خان معتمد مجلس ترقی ادب لاہور، مطبوعہ: ایڈنگ پرنٹنگ پریس، اردو بازار لاہور، ۱۹۵۹ء، (ص: ۵۶۹)

Alice William, (Proceedings by: 21: D. Lindsay) Urdu translation of compilations, (by: Syed Nazir Niazi) Political science Aristotle, a magazine in the discussion of government, Majlis Tragqi Adab 2. Narsinghdas Guldoon Club Road, Lahore, Publisher (Kareem Ahmad Khan Motamed Majlis Tragqi Adab Lahore, Printed: Eding Printing Press, Urdu Bazar Lahore, 1959, (p. 569)

[6] جعفری۔ سید اصغر علی شاہ، مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ پبلشر: نیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور۔ پریس: الکتاب پریس لاہور۔ جنوری ۱۹۷۲ء، (ص: ۹۹)

Jaffrey Syed Asghar Ali Shah, Political Thoughts of East and West. Publisher: New Book Palace, Urdu Bazar, Lahore. Press: Al Kitab Press Lahore. January 1972, (Page: 99)

[7] رسل، برٹرینڈ، (مترجم: پروفیسر محمد بشیر) فلسفۂ مغرب کی تاریخ، اوائل زمانوں سے عصرِ حاضر تک اپنے سیاسی اور معاشرتی حالات کے آئینے میں) ناشر: پورب اکادمی، اسلام آباد، ۱۱۱۲، گلی نمبر ۴۲، جی الیون ٹو، اسلام آباد، طبع اوّل: ۲۰۰۵ء، طبع دوم: مئی ۲۰۱۰ء، کتاب اوّل، حصہ اوّل، (ص:۔ ۱۵۰)

Russell, Bertrand, (Translator: Prof. Muhammad Basheer) History of Western Philosophy from the Earliest Times to the Present in the Mirror of Its Political and Social Conditions (Publisher: Purab Akademi, Islamabad, 1112, Street No. 42, G 112, Islam Abad, first edition: 2005, second edition: May 2010, book one, part one, (p. 150)

[8] رسل، برٹرینڈ، (مترجم: پروفیسر محمد بشیر) فلسفۂ مغرب کی تاریخ، اوائل زمانوں سے عصرِ حاضر تک اپنے سیاسی اور معاشرتی حالات کے آئینے میں) ناشر: پورب اکادمی، اسلام آباد، ۱۱۱۲، گلی نمبر ۴۲، جی الیون ٹو، اسلام آباد، طبع اوّل: ۲۰۰۵ء، طبع دوم: مئی ۲۰۱۰ء، کتاب اوّل، حصہ اوّل، (ص:۔ ۱۵۱)

Russell, Bertrand, (Translator: Prof. Muhammad Basheer) History of Western Philosophy from the Earliest Times to the Present in the Mirror of Its Political and Social Conditions (Publisher: Purab Akademi, Islamabad, 1112, Street No. 42, G 112, Islam Abad, first edition: 2005, second edition: May 2010, book one, part one, (p. 151)

[9] جعفری۔ سید اصغر علی شاہ، مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ پبلشر: نیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور۔ پریس: الکتاب پریس لاہور۔ جنوری ۱۹۷۲ء، (ص: ۲۹۔۲۸)

Jaffrey Syed Asghar Ali Shah, Political Thoughts of East and West. Publisher: New Book Palace, Urdu Bazar, Lahore. Press: Al Kitab Press Lahore. January 1972, (Page: 29-28)

[10] ایضا

Ibid.

[11] جعفری۔ سید اصغر علی شاہ، مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ پبلشر: نیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور۔ پریس: الکتاب پریس لاہور۔ جنوری ۱۹۷۲ء، (ص: ۴۰)

Jaffrey Syed Asghar Ali Shah, Political Thoughts of East and West. Publisher: New Book Palace, Urdu Bazar, Lahore. Press: Al Kitab Press Lahore. January 1972, (Page: 40)

[12] افتخار حسین۔ ڈاکٹر، قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ، (ایک دعوتِ فکر) مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور۔ طبع اوّل اکتوبر ۱۹۷۹ء، ناشر: احمد ندیم قاسمی، طابع: محمد زرین خان۔ (ص: ۱۹۸)

Iftikhar Hussain Dr., A study of the reasons for the defeat and decline of nations, (a invitation for thought) Majlis Trakgi Adab Club Road, Lahore. Published on October 1, 1979, Publisher: Ahmad Nadeem Qasmi, Typed: Muhammad Zareen Khan. (p. 198)

[۱۳] http://www.iep.utm.edu/bentham/

[۱۴] جعفری۔ سید اصغر علی شاہ، مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ پبلشر: نیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور۔ پریس: الکتاب پریس لاہور۔ جنوری ۱۹۷۲ء، (ص: ۱۹۹۔۱۹۷)

Jaffrey Syed Asghar Ali Shah, Political Thoughts of East and West. Publisher: New Book Palace, Urdu Bazar, Lahore. Press: Al Kitab Press Lahore. January 1972, (Page: 197-199)

[۱۵] جعفری۔ سید اصغر علی شاہ، مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ پبلشر: نیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور۔ پریس: الکتاب پریس لاہور۔ جنوری ۱۹۷۲ء، (ص: ۲۵۷۔۲۵۵)

Jaffrey Syed Asghar Ali Shah, Political Thoughts of East and West. Publisher: New Book Palace, Urdu Bazar, Lahore. Press: Al Kitab Press Lahore. January 1972, (Page: 255-257)

[16] http://www.iep.utm.edu/milljs/

[۱۷] جعفری۔ سید اصغر علی شاہ، مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ پبلشر: نیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور۔ پریس: الکتاب پریس لاہور۔ جنوری ۱۹۷۲ء، (ص: ۲۹۲)

Jaffrey Syed Asghar Ali Shah, Political Thoughts of East and West. Publisher: New Book Palace, Urdu Bazar, Lahore. Press: Al Kitab Press Lahore. January 1972, (Page: 292)

[18] https://en.wikipedia.org/wiki/Niccol%C3%B2_Machiavelli

[۱۹] رسل، برٹرینڈ، (مترجم: پروفیسر محمد بشیر) فلسفۂ مغرب کی تاریخ، اوائل زمانوں سے عصرِ حاضر تک اپنے سیاسی اور معاشرتی حالات کے آئینے میں) ناشر: پورب اکادمی، اسلام آباد، ۱۱۱۲، گلی نمبر ۴۲، جی الیون ٹو، اسلام آباد، طبع اوّل: ۲۰۰۵ء، طبع دوم: مئی ۲۰۱۰ء، کتاب اوّل، حصہ اوّل، (ص:۔ ۵۹۱) کتاب سوم۔ حصہ اوّل۔

Russell, Bertrand, (Translator: Prof. Muhammad Basheer) History of Western Philosophy from the Earliest Times to the Present in the Mirror of Its Political and Social Conditions (Publisher: Purab Akademi, Islamabad, 1112, Street No. 42, G 112, Islam Abad, first edition: 2005, second edition: May 2010, book one, part one, (p. 591)

[20] https://en.wikipedia.org/wiki/Thomas_More

[21] https://www.cliffsnotes.com/literature/u/utopia-utopian-literature/book-summary

[۲۲] رسل، برٹرینڈ، (مترجم: پروفیسر محمد بشیر) فلسفۂ مغرب کی تاریخ، اوائل زمانوں سے عصرِ حاضر تک اپنے سیاسی اور معاشرتی حالات کے آئینے میں) ناشر: پورب اکادمی، اسلام آباد، ۱۱۱۲، گلی نمبر ۴۲، جی الیون ٹو، اسلام آباد، طبع اوّل: ۲۰۰۵ء، طبع دوم: مئی ۲۰۱۰ء، کتاب اوّل، حصہ اوّل، (ص:۔ ۶۰۱) کتاب سوم۔ حصہ اوّل۔

Russell, Bertrand, (Translator: Prof. Muhammad Basheer) History of Western Philosophy from the Earliest Times to the Present in the Mirror of Its Political and Social Conditions (Publisher: Purab Akademi, Islamabad, 1112, Street No. 42, G 112, Islam Abad, first edition: 2005, second edition: May 2010, book one, part one, (p. 601)

[۲۳] جعفری۔ سید اصغر علی شاہ، مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ پبلشر: نیو بک پیلس، اردو بازار لاہور، پریس: الکتاب پریس لاہور۔ جنوری ۱۹۷۲ء، (ص:۲۹۸)

Jaffrey Syed Asghar Ali Shah, Political Thoughts of East and West. Publisher: New Book Palace, Urdu Bazar, Lahore. Press: Al Kitab Press Lahore. January 1972, (Page: 298)

[۲۴] سورۃ المائدۃ، آیت:۴۸۔۴۹

Surah Al-Mayedah, 48-49

[25] Mallat , chibli,Introduction to Middle Eastern Law ,

[۲۶]

https://books.google.com.pk/books?id=T1orfJUjZg8C&pg=PA16&lpg=PA16&dq=See+preface+of+%E2%80%9CLaw+in+the+Middle+East+by+Jackson.&source=bl&ots=

[۲۷] فاروق، ڈاکٹر عبد الغنی۔ یہ ہے مغربی تہذیب!، ادارہ منشوراتِ اسلامی بالمقابل منصورہ، ملتان روڈ لاہور۔ میٹرو پرنٹرز (ص:۲۵ تا ۳۰)۔

Farooq, Dr. Abdul Ghani. This is Western civilization! , Islamic Manifesto Institute Opposite Mansoora, Multan Road Lahore. Metro Printers (p. 25 to 30).

[۲۸] محمد امین، ڈاکٹر۔ عصرِ حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون، ادارہ ترجمان القرآن، پرائیوٹ لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور۔ نومبر ۱۹۸۹ء، (ص:۲۴۶)

Muhammad Amin, Dr. Contemporary and Islamic Law System, Interpreter of the Qur'an Institute, Private Limited, Urdu Bazar, Lahore. November 1989, (p. 246)

[۲۹] مزرا، منور، کمیونزم کا آخری ستارہ بھی ڈوب گیا" (عالمی افق) جنگ سنڈے میگزین، ۱۱ دسمبر ۲۰۱۶، جنگ گروپ آف کمپنی، (کراچی ایڈیشن)، ص:۱۲

Mizra, Manwar, the last star of Communism also sank" (Global Horizon) Jang Sunday Magazine, 11 December 2016, Jang Group of Company, (Karachi Edition), p.: 12

[۳۰] سورۃ الحشر: آیت نمبر ۷

Surah Al-Hashr: Verse number 7

[۳۱] سورۃ الفاتحہ، آیت نمبر ۱،

Surah al-Fatihah, verse number 1

[۳۲] سورۃ الانبیاء:۱۰۷

Surah Al-Anbiya: 107